بیع سلم کی مروّجہ صورتوں پر شرعی تحقیق

مولانا حافظ ذوالفقار علی

ابو ہریرہ شریعہ کالج ، لاہور

بعض اسلامی بینکوں میں تمویل سرگرمیوں کے لئے بیع سلم کا استعمال بھی جاری ہے۔سلم ایک معروف شرعی اصطلاح ہے جس سے مراد لین دین اور خرید وفروخت کی وہ قسم ہے جس میں ایک شخص یہ ذمہ داری قبول کرتا ہے کہ وہ مستقبل کی فلاں تاریخ پر خریدار کو ان صفات کی حامل فلاں چیز مہیا کرے گا۔شیخ الاسلام حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

والسلم شرعاً بیع موصوف فی الذمة . (فتح الباری : ۵۴۰/۴)

''سلم کا شرعی معنی: ایسی چیز بیچنے کی ذمہ داری اُٹھانا ہے جس کی صفات بیان کردی گئی ہوں۔''

اس کو سلف بھی کہتے ہیں کیوں کہ اس میں بیچی گئی چیز کی قیمت معاہدے کے وقت ہی ادا کردی جاتی ہے۔یعنی یہ بیع کی وہ قسم ہے جس میں قیمت تو فوری ادا کردی جاتی ہے مگر چیز بعد میں فراہم کی جاتی ہے۔

نبی ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہاں بیع کی یہ صورت بھی رائج تھی۔آپ ﷺ نے اس کا کلیۃً منع کرنے کی بجائے بنیادی اصلاحات کر کے اس کو باقی رکھا جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں:

قدم النبی ﷺ المدینة وهم یسلفون بالتمر السنتین والثلاث ، فقال: "من اسلف فی شیء ففی کیل معلوم ووزن معلوم ، الی أجل معلوم". (صحیح بخاری : ۲۲۴۱)

''نبی کریم ﷺ مدینہ تشریف لائے تو لوگ کھجوروں میں دو اور تین سال کے لئے بیع سلم کرتے تھے۔اس پر آپؐ نے فرمایا: جو شخص بیع سلم کرنا چاہتا ہے، وہ متعین پیمانے اور وزن میں متعین مدت کے لئے کرے۔''

دوسری جگہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں:

اشهد ان السلف المضمون الی اجل مسمی قد احله الله فی کتابه واذن فیه ثم قرا . "یا ایها الذین آمنوا اذا تداینتم بدین الی اجل مسمی فاکتبوه" "

(مصنف ابن ابی شیبه :۲۷۷/۵، مستدرک حاکم :۲۵۸/۷)

''میں گواہی دیتا ہوں کہ مقررہ مدت تک ضمانت دی گئی سلم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب جائز قرار دیا ہے اور اس کی اجازت دی ہے۔پھر اُنہوں نے قرآن حکیم کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

'' اے ایمان والو! جب تم آپس میں مقررہ وقت تک اُدھار کا معاملہ کرو تو اس کو لکھ لیا کرو ''

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیؓ کہتے ہیں:

" انا کنا نسلف علی عھد رسول اللہ وابی بکر وعمر فی الحنطة والشعیر والزبیب والتمر " .

(صحیح بخاری : ۲۲۴۳)

"ہم رسول اللہؐ، ابوبکرؓ اور عمرؓ کے دور میں گندم، جو، کھجور اور منقیٰ میں بیع سلم کرتے تھے۔"

شیخ الاسلام حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں فرماتے ہیں:

واتفق العلماء علی مشروعیته الا ما حکی عن ابن المسیب . (۵۴۰/۴)

"سعید بن میبؒ کے علاوہ تمام علماء اس کے جواز پر متفق ہیں۔"

سلم کی اجازت کا فلسفہ:

بعض کسانوں اور مینوفیکچرز کے پاس ضرورت کے مطابق مثلاً بیج، کھاد، آلات، خام مال خریدنے اور لیبر کے لئے رقم نہیں ہوتی ۔ایسے لوگوں کو اسلام نے یہ سہولت دی ہے کہ وہ حصولِ رقم کی خاطر اپنی فصل یا پیداوار قبل از وقت فروخت کر سکتے ہیں تا کہ قرض کے لئے کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے بچے رہیں۔یادر ہے کہ یہ اجازت شریعت کے اس عام اصول سے استثناء ہے کہ معدوم شے کی بیع حرام ہے، اور اس استثنا کی دلیل خود فرمانِ نبویؐ ہے۔

اس اجازت کا اضافی فائدہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی چیز بیچنے کے لئے گاہک تلاش کرنے کی فکر سے آزاد ہو جاتا ہے، کیونکہ اس کا سودا پہلے ہی ہو چکا ہوتا ہے۔اس سے خریدار کو بھی فائدہ پہنچتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ سلم میں طے کردہ قیمت ان چیزوں کی اس قیمت سے کم ہوتی ہے جو نقد ادا کی جاتی ہو۔نیز اگر چیز آگے بیچنا چاہتا ہو تو مارکیٹنگ کے لئے بھی مناسب وقت مل جاتا ہے۔

کیا سلم خلافِ قیاس ہے؟

جیسا کہ گزر چکا ہے کہ شرعِ اُصول کے مطابق انسان کو وہی چیز بیچنے کی اجازت ہے جو نہ صرف وجود میں آ چکی ہو بلکہ اس کی ملکیت اور قبضہ میں ہو جبکہ سلم میں عقد کے وقت چیز کا وجود ہی نہیں ہوتا۔اس بنا پر بعض فقہاء نے کہا ہے کہ سلم بیع معدوم کی ایک استثنائی صورت ہے۔مگر امام ابن قیمؒ اس سے متفق نہیں ہیں، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

وأما السلم فمن ظن أنه علی خلاف القیاس وتوھم دخوله تحت قول النبی ﷺ (لا تبع مالیس عندک) فانه بیع معدوم والقیاس یمنع منه والصواب أنه علی وفق القیاس فانه بیع مضمون فی الذمة موصوف مقدور علی تسلیمه غالباً وھو کالمعارضة علی المنافع فی الاجارة وقد تقدم أنه علی وفق القیاس.(اعلام المو قعین : ۱۹/۲)

"اس کا مطلب ہے کہ جو حضرات سلم کو خلافِ قیاس سمجھتے ہیں، وہ اس کو نبی ﷺ کے اس ارشاد" جو چیز تیرے پاس موجود نہیں

،اس کو فروخت نہ کر۔'' میں داخل سمجھنے کی غلطی کرتے ہیں۔ جبکہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ قیاس کے مطابق ہے۔ کیونکہ یہ ایسی بیع ہے جس میں انسان ایسی چیز جس کو عام طور پر حوالے کر سکتا ہو، کو طے شدہ صفات کے مطابق بیچنے کی ذمہ داری اُٹھاتا ہے۔ اور اس کی مثال اجارہ میں منفعت کا معاوضہ لینے جیسے ہی ہے۔ اور جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ اجارہ قیاس کے مطابق ہے۔''

بیع سلم کی شرطیں:

اس میں ان تمام پابندیوں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے جو شریعت نے عام بیع کے لئے مقرر کی ہیں، تاہم معاملہ کو غرر (دھوکہ) سے پاک رکھنے کے لئے کچھ خاص شرطیں رکھی گئی ہیں۔ مثلاً......

(۱) جس چیز کا سودا کیا جا رہا ہو معاہدے کے وقت اس کی نوعیت، اوصاف، مقدار، تعداد اور مالیت کا تعین پہلے سے کیا جا سکتا ہو۔ جن چیزوں میں ایسا ممکن نہ ہو، ان میں بیع سلم جائز نہیں ہوتی جیسے قیمتی موتی، جواہرات اور نوادرات ہیں، کیونکہ ان کی اکائیاں ایک دوسرے سے کافی مختلف ہوتی ہیں۔

(۲) جو چیز بیچی اور جو قیمت میں دی جا رہی ہو، دونوں کا تعلق ان اموال سے نہ ہو جن میں فوری قبضہ کی شرط ضروری ہے جیسے چاندی کے عوض سونے کی بیع یا گندم کے بدلے گندم کا سودا کیونکہ اس قسم کے تبادلہ میں فرمان نبوی کے مطابق موقع پر قبضہ شرط ہے۔

(۳) مکمل قیمت معاہدہ کے وقت ہی ادا کر دی جائے۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

" من سلف في تمر فليُسلف في كيل معلوم ووزن معلوم " صحيح بخاری : ۲۲۳۹)

''جو کھجوروں میں بیع سلف کرے، وہ معلوم پیمانے اور معلوم وزن میں کرے۔''

سلف 'سلم' کا ہی دوسرا نام ہے اور اس کو سلف اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں قیمت پیشگی ادا کر دی جاتی ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں یعنی پیشگی قیمت کی شرط آپ ﷺ نے خود لگائی ہے۔ اور اگر پوری قیمت پہلے ادا نہ کی جائے تو یہ اُدھار کے ساتھ تبادلہ ہوگا جو شرعاً ممنوع ہے۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

" واتفقوا على انه يشترط له ما يشترط للبيع وعلى تسليم راس المال في المجلس " .

(فتح الباری : ۵۴۰/۴) .

''علماء اس پر متفق ہیں کہ اس کی بھی وہی شرطیں ہیں جو عام بیع کی ہیں اور اس پر بھی متفق ہیں کہ اسی مجلس میں راس المال حوالے کرنا ضروری ہے۔''

امام شوکانیؒ لکھتے ہیں: هذا الشرط لابد منه ولا يتم السلم الا به والا كان من بيع الكالي بالكالي وقد قدمنا النهي عنه . (السيل الجرار : ۱۵۸/۳) .

'' یہ شرط ضروری ہے، اس کے بغیر سلم مکمل نہیں ہوتی ورنہ یہ اُدھار کی ادھار کے ساتھ بیع ہوگی اور اس کی ممانعت

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں ''۔

(۴)مدت حوالگی پوری طرح واضح ہو۔اگر اس میں کسی قسم کا ابہام پایا جائے تو بیع سلم درست نہ ہوگی۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ نقل کرتے ہیں:

''ان رسول الله ﷺ نهى عن بيع حبل الحبلة و كان بيعاً يتبايعه اهل الجاهلية كان الرجل يبتا ع الجزور الى ان تنتج الناقة ثم تنتج التى فى بطنها ''.(صحيح بخارى:۱۹۹۹) .

''بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے حاملہ کے حمل کی بیع سے منع فرمایا ہے۔(نافع کہتے ہیں) کہ بیع یہ صورت زمانہ جاہلیت میں رائج تھی۔ آدمی اس وعدہ پر اونٹ خریدتا کہ جب اونٹنی جنے ، پھر وہ بڑی ہو کر، میں تب قیمت دوں گا''۔

لا تبا يعوا الى الحصاد و الدياس و لا تتبا يعوا الاّ الىٰ اجل معلوم .(ارواء الغليل :۵/۲۱۷)

''فصل کاٹنے یا گاہنے تک بیع نہ کرو بلکہ متعین مدت تک کرو۔''

ان دونوں صورتوں میں چونکہ مدت میں ابہام ہے،اس لئے یہ جائز نہیں ہیں۔

(۵)مخصوص باغ یا زمین کے مخصوص قطعہ کی پیداوار میں بیع سلم نہیں ہوسکتی، کیونکہ اس میں غرر پایا جاتا ہے۔ممکن ہے کہ وہ باغ پھل نہ دے یا قطعہ زمین میں فصل ہی نہ ہو۔زید بن سعنہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا:

هل لك ان تبيعنى تمراً معلوماً الى اجل معلوم من حائط بنى فلان قال : لا ابيعك من حائط مسمى ، بل ابيعك اوسقا مسماة الى اجل مسمىً.(فتح البارى : ۴/۵۴۶)

''کیا آپ مجھے بنو فلاں کے باغ سے متعین مدت کے لئے متعین کھجوریں فروخت کریں گے۔آپ نے فرمایا: متعین باغ سے نہیں بلکہ متعین وسق متعین مدت کے لئے فروخت کرتا ہوں۔'' شیخ الاسلام حافظ ابن حجرؒ رقم طراز ہیں:

ونقل ابن المنذر اتفاق الاكثر على منع السلم فى بستان معين لانه غرر .

ترجمہ:''ابن منذر نے متعین باغ میں سلم کی ممانعت پر اکثر کا اتفاق نقل کیا ہے۔'' (ایضاً)

ڈاکٹر علامہ محمد سلیمان اشقر لکھتے ہیں:

''دور حاضر میں اس کی بعض صورتوں میں نظر ثانی ہونی چاہیے، کیونکہ بعض بڑی بڑی فیکٹریاں ایسی ہیں جن کی مصنوعات بہت زیادہ پھیلی ہوئی ہیں اور ان کی مصنوعات میں ایسی خوبیاں ہیں جو دوسری فیکٹریوں کی مصنوعات میں نہیں پائی جاتیں۔جیسے مرسڈیز کمپنی کی گاڑیاں یا ٹو شیبا کے ٹیلی ویژن ہیں۔اگر کوئی مرسڈیز گاڑی کے ماڈل نمبر ۲۰۰ کو ۱۹۹۴ میں سلم کرنا چاہے تو یہ جائز ہونی چاہیے بلکہ میرے نزدیک گاڑیوں میں اس وقت تک سلم درست نہیں جب تک فیکٹری کا نام ذکر نہ کیا جائے۔صرف یہ کہہ دینا کافی نہیں کہ گاڑی پانچ سیٹوں والی اور فلاں سال کا ماڈل ہو، کیونکہ قیمتوں کے فرق کی وجہ سے اس میں جہالت پائی جاتی ہے جو نزاع کا باعث بن سکتی ہے۔

گاڑیوں کے علاوہ دوسری بڑی فیکٹریوں جن کے پیداوار بازاروں میں عام ہے، کا بھی یہی حکم ہے۔ البتہ مخصوص زرعی فارم اور محدود پیداوار کے حامل کارخانے کا یہ حکم نہیں کیونکہ اس کی پیداوار بند بھی ہوسکتی ہے۔"

(البحوث الفقهية في قضايا الاقتصادية المعاصرة: ۱/۱۹۴، ۱۹۵)

علامہ سلیمان اشقر کے خیال میں بعض مالکی فقہاء جیسے ابن شاس اور ابن الحاجب کے کلام سے بھی اس نقطہ نظر کی تائید ہوتی ہے۔ انہوں نے متعین باغ کے پھل میں سلم ناجائز ہونے کے ساتھ یہ شرط لگائی ہے کہ "وہ باغ چھوٹا نہ ہو" اور جانوروں میں یہ قید لگائی ہے کہ "ان کا تعلق ایسی نسل سے نہ ہو جو کم پائی جاتی ہو" اس کا مطلب ہے کہ باغ اگر بڑا اور جانور کی نسل زیادہ پائی جاتی ہو تو اس میں سلم غیر متعین کی طرح ہی ہے۔

مزید لکھتے ہیں کہ بعض فقہاء کے اس کلام کہ "بڑی بستی کے پھل میں سلم جائز ہے، لیکن اگر چھوٹی ہو تو پھر جائز نہیں۔" سے بھی اس کو تقویت ملتی ہے۔ (ایضاً)

نوٹ: ۔ شیئرز کے سودوں میں چونکہ کمپنی کا نام ذکر کرنا ضروری ہوتا ہے جس سے اس کی حیثیت متعین چیز میں سلم کی ہوجاتی ہے جو ناجائز ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ جب سپردگی کا وقت آئے تو مارکیٹ میں اس کمپنی کے شیئرز دستیاب ہی نہ ہوں لہٰذا شیئرز میں بیع سلم درست نہیں۔

سلم اور استصناع میں فرق:

استصناع کا معنی ہے: آڈر پر کوئی چیز تیار کروانا۔ اہل حدیث علماء کی رائے میں یہ سلم کی ہی ایک ذیلی قسم ہے۔ جس کا تعلق ایسی اشیا سے ہے جو آڈر پر تیار کروائی جاتی ہیں اور اس میں پابندیاں قدرے نرم ہیں۔ مثلاً اس میں پوری قیمت پیشگی ادا کرنا ضروری نہیں۔

ڈاکٹر علی احمد سالوسؒ لکھتے ہیں:

"الاستصناع عند المالكية والشافعية والحنابلة جزء من السلم لا يصح الا بشروه وهو عند الحنفية عدا زفر عقد مستقل له شروطه وأحكامه الخاصة". (موسوعة القضايا الفقهيه المعاصرة والاقتصاد الاسلامي: ص ۸۴۲)

"مالکیوں، شافعیوں اور حنبلیوں کے نزدیک استصناع سلم کی ہی ایک قسم ہے جو سلم کی شرطوں کے بغیر درست نہیں ہوتی۔ البتہ امام زفرؒ کے علاوہ باقی حنفیوں کے نزدیک یہ ایک مستقل عقد ہے جس کی اپنی شرطیں اور خاص احکام ہیں۔"

سلم میں رہن اور ضمانت طلب کرنا:

بیع سلم میں بیچی گئی چیز چونکہ فروخت کنندہ کے ذمہ اُدھار ہوتی ہے لہٰذا خریدار حوالگی یقینی بنانے کے لئے رہن یا گارنٹی کا مطالبہ

کرسکتا ہے۔ہم اوپر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے حوالے سے بیان کرآئے ہیں کہ سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر۲۸۲: "یا ایھا الذین امنوا اذا تداینتم بدین الی اجل مسمی فاکتبوہُ " ترجمہ:۔''اے ایمان والو! جب تم آپس میں مقررہ وقت تک اُدھار کا معاملہ کرو تو اس کو لکھ لیا کرو''۔میں بیع سلم بھی شامل ہے جبکہ اس سے بعد والی آیت میں اُدھار میں رہن کی اجازت دی گئی ہے۔یعنی سلم میں رہن کا جواز قرآن سے ثابت ہے۔امام بخاریؒ نے اس کے حق میں بایں الفاظ''باب الرھن فی السلم''''سلم میں رہن کا ثبوت''عنوان قائم کیا ہے اور یہ روایت ذکر کی ہے کہ اعمشؒ کہتے ہیں:

تذاکرنا عند ابراھیم الرھن فیی السلف فقال حدثنیی الاسود عن عائشةؓ ان النبیی ﷺ اشتریٰ من یھودی طعاماً الی اجل معلوم، وارتھن منہ درعاً من حدید .(صحیح بخاری:۲۰۹۳)

''ہم نے ابراہیم کے پاس سلم میں رہن کے متعلق گفتگو کی تو اُنہوں نے فرمایا: مجھے اسود نے حضرت عائشہؓ سے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے ایک یہودی سے متعین مدت کے لئے غلہ خریدااور اس کے پاس لوہے کی زرہ گروی رکھی۔''

سلم میں قبضہ کی مدت:

چونکہ حدیث وسنت میں بیع سلم میں قبضہ کی کم از کم مدت کے متعلق کوئی صراحت نہیں ملتی اس لئے اس بارے میں فقہاء میں اختلاف ہے۔بعض کے نزدیک ایک گھڑی کی مہلت بھی کافی ہے جبکہ بعض نصف یوم،بعض دو یا تین اور بعض پندرہ دن کے قائل ہیں۔ (عمدۃ القاری:۸/۵۸۱)

علامہ ابن قدامہؒ کی رائے میں کم از کم اتنی مدت ہونی چاہے جس کا قیمتوں پر مناسب اثر پڑتا ہو اور وہ مدت ایک مہینہ یا اس کے قریب ہے۔(المغنی:۶/۴۰۴)۔

صحیح بات یہ ہے کہ فریقین کو باہمی رضامندی سے کوئی بھی مدت مقرر کرنے کا اختیار ہے۔

☆ایک تو اس لئے کہ ذخیرۂ احادیث میں نبی کریم ﷺ سے کم از کم مدت کے متعلق کوئی روایت منقول نہیں۔

☆دوسرا اس لئے کہ سلم کی اجازت کا مقصد لوگوں کو سہولت دینا ہے اور یہ مقصد تب ہی حاصل ہوسکتا ہے جب مدت کی پابندی نہ ہو۔

حوالگی میں تاخیر پر جرمانہ:

سلم میں بیچی گئی چیز چونکہ فروخت کنندہ کے ذمے دین (اُدھار) ہوتی ہے جس میں تاخیر پر جرمانہ صریح سود شمار ہوتا ہے۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا قول ہے:

من اسلف سلفا فلا یشترط الا قضاءہ .(مؤطا امام مالک، باب مالا یجوز من السلف : ۱۳۸۸)

"جو بیع سلم کرے، وہ ادائیگی کے علاوہ کوئی شرط عائد نہ کرے۔"

اسلامی بینکوں کی رہنمائی کے لئے مرتب کردہ شریعہ سٹینڈرز میں ہے:

لایجوز الشرط الجزائی عن التاخیر فیی تسلیم المسلم فیه . (ص ۱۶۲)

"جس چیز میں سلم کا سودا ہوا ہو، اس کی تاخیر پر شرط جزائی جائز نہیں۔"

صفحہ ۱۷۰ میں ممانعت کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ جس چیز کا سودا ہوا ہے، وہ بیچنے والے کے ذمہ دین ہے جس پر اضافہ کی شرط سود شمار ہوتی ہے۔ اگر فروخت کنندہ تنگ دستی کی وجہ سے بروقت چیز مہیا نہ کر سکے تو اس کو آسانی ہونے تک موقع دیا جائے گا۔

اگر مطلوبہ چیز کی پیداوار کم ہونے یا بازار میں دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے بائع کیلئے بروقت سپردگی ممکن نہ ہو تو خریدار کے پاس اختیار ہے کہ وہ:

☆ بازار میں آسانی سے دستیاب ہونے کا انتظار کرے یا

☆ سودا ختم کر کے اپنی رقم وصول کرلے۔ (المعاییر الشرعیة: ص ۱۶۲)

اگر عمداً تاخیری حربے استعمال کرے تو خریدار اس کی گارنٹی بیچنے کا حق رکھتا ہے، ایسی صورت میں خریدار کے پاس دو ہی اختیار ہوں گے۔

☆ گارنٹی سے حاصل شدہ رقم سے اس قسم کی چیز بازار سے خرید لے۔

☆ یا اپنی اصل رقم وصول پالے۔

لیکن اضافی رقم خواہ جرمانے کے نام پر ہی کیوں نہ ہو، وصول نہیں کی جاسکتی۔ بعض حضرات کی رائے میں اگر جرمانہ کی رقم قرض خواہ یا اُدھار دینے والے کی آمدن کا حصہ نہ بنے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن یہ رائے صائب نہیں، کیونکہ شرعاً قرض یا اُدھار پر مشروط اضافہ سود کے زمرہ میں داخل ہے، اس میں آمدن کا حصہ بننے یا نہ بننے کی شرط نہیں۔

قبضہ سے پہلے بیچنا:

سلم کے ذریعے خریدی گئی چیز جب تک خریدار کے قبضہ میں نہ آجائے، اس کو آگے فروخت کرنا منع ہے۔ کیونکہ یہ دین ہے جس کو بیچنا شرعاً درست نہیں۔ علاوہ ازیں احادیث میں قبضہ سے قبل فروخت کی ممانعت ہے۔ چنانچہ علامہ ابن قدامہؒ لکھتے ہیں:

اما بیع المسلم فیه قبل قبضه فلا نعلم فی تحریمه خلافا ، وقد نهی النبی ﷺ عن بیع الطعام قبل قبضه وعن ربح مالم یضمن ولا نه مبیع لم یدخل فی ضمانه ، فلم یجز بیعه کالطعام قبل قبضه .(المغنی :۹/۶۸) .

"سلم کے ذریعے خریدی گئی چیز کو قبضے سے قبل فروخت کرنے کی حرمت میں ہم کسی اختلاف کا علم نہیں رکھتے۔ بلاشبہ نبی ﷺ نے قبضے سے قبل غلے کی بیع سے منع فرمایا ہے۔ اور اس چیز کے نفع سے بھی منع فرمایا ہے، جس کا رسک نہ اُٹھایا گیا ہو۔ اور یہ چیز تو ابھی اس کے

رسک میں نہیں آئی لہذا اس کی بیع جائز نہیں جس طرح کے غلے کی بیع قبضے سے قبل جائز نہیں۔"

نوٹ:۔ اس چیز کی فروخت کا ایسا وعدہ جس کی پابندی دونوں یا کسی ایک فریق کے لئے لازمی ہو، وہ بھی اس ممانعت میں شامل ہیں۔

تجارت میں سلم کا استعمال:

کیا سلم کی اجازت صرف کاشتکاروں اور اشیاء تیار کرنے والوں کو ہے یا سپلائرز بھی اس سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں؟ اس بارے میں دو نقطہ نظر ہیں:

(۱) اکثر علماء کی رائے میں یہ رعایت تاجروں کے لئے بھی لازم ہے امام بخاریؒ بھی اسی نقطہ نظر کے حامی ہیں چنانچہ اُنہوں نے اس حق میں باب السلم الی من لیس عندہ اُصل "ایسے شخص سے سلم کا معاملہ کرنا جس کے پاس اس چیز کی اصل نہ ہو" کے عنوان سے ایک مستقل باب باندھا ہے اور استدلال کے لئے ذیل کی روایت لائے ہیں:

(۱) قال عبداللہ: کنا نسلف نبیط اهل الشام فی الحنطة والشعیر والزیت، فی کیل معلوم الی اجل معلوم قلت: الیٰ من کان اصله عنده قال: ماکنا نسالهم عن ذلک. (صحیح بخاری: ۲۰۸۸)

"حضرت عبداللہؓ کہتے ہیں: ہم شام کے کاشتکاروں کے ساتھ گندم، جو اور تیل میں متعین پیمانے اور متعین مدت کے لئے سلم کا معاملہ کرتے: (محمد بن ابی مجاہدؒ کہتے ہیں) میں نے پوچھا: کیا ان سے جن کے پاس چیزوں کی اصل ہوتی؟ انہوں نے فرمایا: ہم ان سے اس کے متعلق نہیں پوچھتے تھے۔"

حضرت عبداللہؓ کا مطلب ہے کہ ہم ان سے یہ نہیں پوچھتے تھے کہ تمہارے پاس گندم یا جو کی فصل ہے یا نہیں؟

(۲) اس نقطہ نظر کے حق میں دوسری روایت یہ پیش کی جاتی ہے:

"کنا نسلف فی عهد رسول اللہ ﷺ وابی بکر وعمر فی الحنطة والشعیر والزبیب او التمر شک فی التمر والزبیب وما هو عند هم او ما نراه عند هم". (مسند احمد: ۳۵۴/۴).

"ہم رسول اللہ ﷺ، ابوبکرؓ اور عمرؓ کے دور میں گندم، جو اور منقی یا کہا کہ کھجوروں میں (یعنی راوی کو یہ شک ہے کہ کھجور کا لفظ بولا یا منقی کا) بیع سلم کرتے حالانکہ وہ چیز ان کے پاس نہیں ہوتی تھی یا کہا: ہم وہ ان کے پاس نہیں دیکھتے تھے۔"

اس نقطہ نظر کے قائلین کہتے ہیں کہ یہ روایات اس امر کا بین ثبوت ہیں کہ سلم کی اجازت سپلائر کے لئے بھی ہے۔

(۲) دوسری رائے یہ ہے کہ سلم کی اجازت صرف کاشتکاروں اور مینوفیکچرز کو ہے۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ کاشتکار اور چیز تیار کرنے والا جب سلم کے ذریعے چیز بیچتا ہے تو غالب گمان یہی ہوتا ہے کہ مدت حوالگی کے وقت وہ چیز اس کے پاس موجود ہوگی یا اس کو دوسرے سے خریدنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی، گویا وہ اپنی ملکیتی چیز بیچ رہا ہے۔

اس کے برعکس سپلائر جب سلم کا معاہدہ کرتا ہے تو وہ چیز اس کے پاس موجود نہیں ہوتی۔

جبکہ شریعت نے غیر ملکیتی چیز کا سودا کرنے پر پابندی لگائی ہے۔حضرت حکیم بن حزامؓ فرماتے ہیں:

سالت النبی ﷺ فقلت: یارسول اللہ یاتینی الرجل فیسالنی البیع لیس عندی ابیعه منه ثم ابتاعه له من السوق؟

''میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے کوئی شخص ایسی چیز بیچنے کو کہتا ہے جو میرے پاس نہیں ہوتی۔کیا میں اس کو بیچ دوں پھر وہ بازار سے خرید کر اس کو دے دوں؟''

اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:'

'لا تبع مالیس عندک'' (سنن نسائی :۴۶۱۳)

'' جو چیز تیرے پاس نہیں،وہ فروخت نہ کر ''۔

ان حضرات کے خیال میں حضرت حکیمؓ کا سوال تجارت میں سلم کے متعلق ہی تھا۔مگر آپ نے اس کی اجازت نہ دی اور نہ ہی آپ نے یہ فرمایا کہ اگر اس کی صفات بیان کردی گئی ہوں تو پھر جائز ہے۔ان حضرات کی تحقیق میں جو روایات اوّل الذکر فریق نے پیش کی ہیں،وہ ان کے موقف کے ثبوت کے لئے ناکافی ہیں۔پہلی روایت کا مفہوم صرف اتنا ہے کہ خریدار کو فروخت کنندہ سے یہ پوچھنے کی ضرورت نہیں کہ آپ کے پاس کھیتی یا باغ ہے یا نہیں؟

(بحوث فی فقه المعاملات المالیه :ص ۱۳۴ ،۱۳۷، ۱۳۹ از ڈاکٹر رفیق یونس مصری) .

ان حضرات کی طرف سے دوسری روایت کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اس کا مطلب ہے کہ جو چیز سلم میں فروخت کی جارہی ہے، اس کا معاہدے کے وقت پایا جانا ضروری نہیں جیسا کہ بعض فقہاء کی رائے ہے کہ وہ چیز معاہدہ طے پانے کے دن سے قبضہ کے دن تک بازار میں دستیاب ہو۔

جو حضرات سپلائرز کو سلم کی اجازت دیتے ہیں،وہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کے فرمان ''جو چیز تیری ملکیت میں نہیں،اس کو فروخت نہ کر'' سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ تاجر سلم سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔اس ارشاد کا معنی صرف یہ ہے کہ ایسی متعین چیز فروخت نہ کر جو تیرے قبضہ میں نہ ہو۔بلکہ غیر کی ملکیت ہو۔چنانچہ امام ابن قیمؒ اس کی تشریح رقم طراز ہیں :

'' واما قول النبی ﷺ لحکیم بن حزام (لا تبع مالیس عندک)فیجعل علی معنیین: احدھما ان یبیع عینا معینة وھی لیست عنده بل ملک للغیر، فیبیعھا ثم یسعیٰ فی تحصیلھا وتسلیمھا الی المشتری والثانی ان یرید بیع مالا یقدر علی تسلیمه وان کان فی الذمة '' .

'' حکیمؓ بن حزام سے نبی ﷺ کا یہ فرمانا کہ''جو چیز تیری ملکیت میں نہیں وہ فروخت نہ کر '' اس کو دو معنوں پر محمول کیا جائے گا:

(۱) انسان ایسی متعین چیز بیچے جو اس کے پاس موجود نہ ہو بلکہ غیر کی ملکیت ہو۔ آدمی پہلے اس کو بیچے پھر حاصل کر کے مشتری کے حوالے کرنے کی کوشش کرے۔

(۲) ایسی چیز کا سودا کرے خواہ ذمہ داری اُٹھائے جس کو (مشتری کے) حوالے نہ کر سکتا ہو۔" (اعلام الموقعین: ۲/۴۶)۔

بیع سلم میں دونوں باتیں نہیں ہوتیں، کیونکہ یہاں تو صرف بیان شدہ صفات کے مطابق ایک چیز فروخت کرنے کی ذمہ داری قبول کی جاتی ہے۔

اسلامی بینکوں میں سلم کا استعمال:

بلاشبہ سلم بہترین غیر سودی طریقہ تمویل ہے جو عصر حاضر میں بھی لوگوں خصوصاً کاشتکاروں اور مینوفیکچرز کی مالی ضرورتیں پوری کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے اور بعض اسلامی بینک اس سے فائدہ بھی اُٹھا رہے ہیں۔ لیکن ہمارے ہاں اسلامی بینک اس کی عملی تطبیق میں گڑبڑ کرتے ہیں جس سے یہ معاملہ شرعی اُصول کے مطابق نہیں رہتا۔ وہ یوں کہ مثلاً گنے کے سیزن میں شوگر ملوں کو گنا خریدنے کے لئے رقم کی ضرورت ہوتی ہے۔ مل مالکان چاہتے ہیں کہ ہمارا مقصد بھی پورا ہو جائے اور ہم سود سے بھی محفوظ رہیں، اب وہ اسلامی بینک کی طرف رجوع کرتے ہیں اور بینک اس شرط پر رقم فراہم کرتا ہے کہ آپ نے ہمیں اس کے عوض فلاں تاریخ تک اتنی چینی مہیا کرنی ہے یعنی بینک سلم کا معاہدہ کر لیتا ہے۔ شوگر ملز کی طرف سے فراہمی یقینی بنانے کے لئے بینک ضمانت بھی طلب کرتا ہے چونکہ بینک کاروباری ادارہ نہیں جو آگے بیچنے کے لئے گاہک تلاش کرتا پھرے۔ اس لئے معاہدے کے وقت ہی یہ بھی طے کر لیا جاتا ہے کہ مل مالک بینک کے وکیل کی حیثیت سے یہ چینی مارکیٹ میں اس قیمت پر فروخت کر کے رقم بینک کے سپرد کرے گا۔ بعض دفعہ معاہدے کے وقت اس کی صراحت نہیں ہوتی مگر فریقین کے ذہن میں یہی ہوتا ہے۔ اگر شوگر مل بروقت چینی فراہم نہیں کرتی تو بینک دی گئی رقم کے فیصد کے حساب سے جرمانہ وصول کرتا ہے جو بینک کی زیرنگرانی قائم خیراتی فنڈ میں جمع کرا دیا جاتا ہے۔

اب یہاں بینک کا خود قبضہ کرنے کی بجائے فروخت کنندہ کو ہی وکیل بنانا شرعی اُصول کے خلاف ہے۔ چنانچہ علماء احناف کے سرخیل علامہ سرخسیؒ لکھتے ہیں:

" ولو قال رب السلم للمسلم اليه: كل مالي عليك من الطعام فاعزله في بيتك او في غرائرك ففعل ذلك لم يكن رب السلم قابضا بمنزله قوله اقبضه لي بيسارك من يمينك وهذا لأن المسلم فيه دين على المسلم اليه والمديون لا يصلح ان يكون نائبا عن صاحب الدين في قبض الدين من نفسه " .

(لمبسوط: ۱۵/۱۰۱) .

" خلاصہ یہ کہ سلم کے ذریعے بیچی گئی چیز فروخت کنندہ کے ذمہ اُدھار ہوتی ہے اور جس کے ذمہ اُدھار ہو وہ خود اپنی ذات سے اس کی وصولی کے لئے اس شخص کا وکیل نہیں بن سکتا جس کا اس کے ذمہ اُدھار ہو " ۔

علامہ ڈاکٹر محمد سلیمان اشقر سلم سے اسلامی بینکوں کے فائدہ اُٹھانے کے طریقہ کار کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الطریقة الثانیة: أن یوکل المصرف البائع (المسلم الیه) بتسویق البضاعة بأخر أو دون أجر فان کان باتفاق معه مسبق مربوط بعقد السلم نفسه فان ذلک باطل لایجوز ، لأنه من باب جمع عقدین فی عقد واحد وکذا لو کان الأمر متفاهما علیه أیتم بهذه الصورة .(بحوث فقهیه فی قضایا اقتصادیه معاصره : ۲۱۴/۱)

''دوسرا طریقہ یہ ہے کہ بینک چیز کی مارکیٹنگ کے لئے فروخت کنندہ کو ہی اپنا وکیل مقرر کردے خواہ اس کی اُجرت دے یا بغیر اُجرت کے تو اگر یہ وکالت پہلے سے عقد سلم سے مربوط ا یگریمنٹ کے ذریعے ہو تو یہ عمل باطل ہوگا جو جائز نہیں، کیونکہ یہ ایک عقد میں دو عقد جمع کرنے کے مترادف ہے اور اگر (ایگریمنٹ تو نہ ہو مگر) پہلے ہی سے ذہن میں یہ ہو کہ معاملہ اس طرح تکمیل کو پہنچے گا تو پھر بھی یہ جائز نہیں۔''

سلم متوازی:

یہاں یہ بتا دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی بینکوں میں سلم سے فائدہ اُٹھانے کا جو طریقہ اسلام بینکنگ کے ماہرین نے تجویز کیا ہے اس کو سلم متوازی کہتے ہیں۔یعنی بینک کسی تیسرے فریق کے ساتھ سلم کا معاہدہ کرلے جس کی تاریخ ادائیگی پہلی سلم والی ہی ہو۔

متوازی سلم میں مدت کم ہونے کی وجہ سے قیمت زیادہ ہوگی اور یوں دونوں قیمتوں میں فرق بینک کا نفع ہوگا۔مگر ہمارے ہاں اسلامی بینکوں میں یہ طریقہ شاذ و نادر ہی استعمال کیا جاتا ہے۔زیادہ تر فروخت کنندہ کو ایجنٹ بنانے کا طریقہ ہی اختیار کیا جاتا ہے جو شرعاً درست نہیں ۔ ......☆☆☆☆☆......

مقالہ نگار سے خصوصی گزارش

جملہ مقالہ نگار حضرات سے گزارش ہے کہ وہ اپنے مقالات صاف ستھرا خوشخط لکھائی کے ساتھ اگر ممکن ہو تو کمپیوٹر سے کمپوز کر کے صحیح پروف شدہ حوالہ جات کے ساتھ بروقت براہ راست ای میل ایڈریس :almarkazulislami@maktoob.com یا ڈاک کے ذریعے روانہ کریں اگر کمپوز ہو تو ایک عدد سی ڈی بھی ارسال کریں۔شکریہ

زراعت کی حوصلہ افزائی:

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''مسلمان جو پودا بوتا یا اُگاتا ہے اور پھر اس میں سے کوئی انسان، جانور یا کوئی اور چیز کھالے یا چوری کریں تو وہ ضرور اس کے لئے صدقہ بن جاتا ہے''۔

[صحیح مسلم(۵۵۲): کتاب المساقاة(۲۲): باب فصل الغرس والزروع (۲): عن جابر]